جرائم اور مجرم

متضاد نظریات کی روشنی میں

رشید ملک

MashalBooks.org

مشعل
آر بی 5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور 54600، پاکستان

جرائم اور مجرم

رشید ملک

کاپی رائٹ(c)-2000 مشعل

MashalBooks.org

خواجہ حارث احمد

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

کے نام

جن کی اعانت کے بغیر یہ مرحلہ سر نہیں ہوسکتا

MashalBooks.org

ہم سب جرائم کے شکار ہیں۔ کہیں بھی جائیں، کچھ بھی خریدیں، اپنے بچوں کی کیسی ہی تربیت کریں، ہم ہر وقت جرائم سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ شدید جرائم کا بھوت اور یہ احساس کہ ہم پر بغیر کسی اطلاع کے اچانک حملہ ہوسکتا ہے، ہمیں اپاہج کیا جاسکتا ہے، لوٹا جاسکتا ہے یا قتل کیا جاسکتا ہے، ہمارے شعور پر سوار رہتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر وقت مجرموں کی موجودگی نے یہاں غریب لوگوں کو غریب تر اور امیروں کو دہشت زدہ بنادیا ہے۔ ان کی آزادی سلب کرلی ہے، انہیں خوف میں مبتلا کردیا ہے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔

MashalBooks.org

ترتیب

جواز	7
تعارف	13
نظریاتی مباحث	17
علم جرمیات	18
علم جرمیات کا ارتقا	39
مزید مباحث	102
ابتدائیہ	103
جرائم کی وجوہات	104
طرز زندگی۔استحصال	115
حیاتیاتی عوامل	120
ضابطہ اخلاق کی کمزوری	130
تھرل کی جستجو	137
نتیجہ	139
سزائیں	142
ابتدائیہ	143
جیل میں سزا بھگتنا ضروری ہے	144
جیلوں کا متبادل	150
انسداد	170

MashalBooks.org

جرائم میں خوف کا عنصر	171
جیل بھیجنا علاج نہیں	177
بے روزگاری اور جرائم	187
ہماری پولیس	198
کتابیات	

MashalBooks.org

جواز

یہ میری تربیت کا دوسرا سال تھا اور میں ضلع کی تربیت(District Training) حاصل کرر ہا تھا۔ میرا ایس پی نجف خاں تھا جو سب انسپکٹر یا انسپکٹر کے عہدے سے ترقی پا کر ایس پی بن گیا تھا۔ جب میں مشرقی بنگال سے ایک سال کی ٹریننگ لے کر واپس لوٹا تو اس وقت کے انسپکٹر جنرل پولیس قربان علی خاں سے ملاقات کے دوران درخواست کی کہ مجھے ضلع کی ٹریننگ کے لیے کسی اچھے ایس پی کے ماتحت تعینات کر دیا جائے تا کہ میں پولیس کے کام سے اچھی طرح واقف ہو جاؤں۔ چنانچہ مجھے راولپنڈی میں ایس پی نجف خان کے ماتحت تعینات کر دیا گیا۔ اس وقت تو نہیں لیکن بعد میں بلکہ بہت دیر کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ جناب نجف خاں صاحب قربان علی خاں کے کتنے قریب تھے۔ قربان علی خاں، نجف خان کو بڑا قابل ایس پی خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ڈی آئی جی جناب ایس این عالم کا تبادلہ ہوا تو کوئی نیا ڈی آئی جی راولپنڈی رینج میں تعینات نہ ہوا اور جناب نجف خاں کو ہی ڈی آئی جی کا کام کرنے کو کہا گیا۔ چنانچہ جب نوزائیدہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ پیش آیا تو اس وقت نجف خاں راولپنڈی ضلع کے ایس پی کے ساتھ ساتھ راولپنڈی رینج کے ڈی آئی جی کا عہدہ بھی سنبھالے ہوئے تھے۔

16 اکتوبر 1951ء کو مجھے حکم ملا کہ میں وزیر اعظم پاکستان جناب لیاقت علی خان کو سرکٹ ہاؤس سے پائلٹ کر کے کمپنی باغ لاؤں جہاں انہیں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا۔ جب میں وزیر اعظم کو کمپنی باغ لے کر پہنچا تو جلسہ گاہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ سٹیج کے بائیں طرف شہر کی مسلم لیگ کے قائدین کرسیوں پر براجمان تھے۔ ایس پی صاحب سٹیج کے پچھلے دائیں کونے پر

MashalBooks.org

موجود تھے اور مسلح تھے۔ سٹیج کے دونوں طرف پولیس کے مسلح گارڈ جلسہ گاہ کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے۔ میں نے ایس پی سے پوچھا کہ وزیراعظم کے سٹیج پر پہنچ جانے کے بعد میرے لیے مزید کیا حکم ہے۔ ایس پی نے دور جلسہ گاہ کے بائیں کونے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہاں لوگ زیادہ ہیں اس لیے وہاں چلے جاؤ اور دیکھو کہ کوئی گڑ بڑ نہ ہو۔ جب میں سٹیج سے روانہ ہوا تو اس وقت جلسے کی کارروائی شروع ہو چکی تھی اور راولپنڈی شہر کی مسلم لیگ کے صدر سپاس نامہ پیش کر رہے تھے۔ تقریباً 50 یا 60 قدم چل کر میں اپنے مقام پر پہنچ کر وائیں ہاتھ کو مڑا۔ اس وقت میں نے سنا کہ مسلم لیگ کے صدر فرما رہے تھے ''اوپر اللہ تعالیٰ ہے اور نیچے آپ ہیں۔ آپ کے حکم پر ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔'' میرے ذہن میں خیال آیا کہ سیاسی قوت بھی کیا چیز ہے۔ کہاں خداوند تعالیٰ اور کہاں ہم اس کے حقیر بندے۔ دونوں کا نام ایک ہی سانس میں لیا جا رہا ہے۔ خیر ان کی تقریر ختم ہوئی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا کہ سٹیج سے دور ہو کر میں آرام سے سگریٹ پی سکتا ہوں۔ ابھی میں سگریٹ سلگا ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں وزیراعظم کی آواز گونجی ''برادران ملت'' اور ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی۔ میں نے خیال کیا کہ اس علاقے میں خوشی منانے اور خوش آمدید کہنے کا یہی طریقہ ہے، اس لیے کسی نے خوشی میں گولی چلائی ہوگی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی گولی کی دوسری آواز آئی۔ اب خیال گزرا کہ راولپنڈی سازش کیس میں کئی فوجی پکڑے گئے ہیں۔ شاید اس وجہ سے کوئی گڑ بڑ کر رہا ہو۔ میں واپس سٹیج کی طرف مڑا۔ اس وقت دھڑا دھڑ گولیاں چل رہی تھیں۔ اب میں نے دیکھا کہ مسلم لیگ کے قائدین جلسہ گاہ سے بھاگ رہے ہیں۔ ساتھ ہی باقی لوگ بھی بھاگ رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو روکنا ضروری ہے تاکہ تفتیش کے دوران ان سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔ چنانچہ میں نے اپنا پستول نکالا اور زور سے کہا ''اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا۔'' لیکن میری دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ لوگ جو خون کا آخری قطرہ بہانے کے لیے تیار تھے، گھٹنوں اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے۔ یا جھکے جھکے اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ اس دوران میں نے سٹیج کی طرف دیکھا تو سبز وردیوں میں ملبوس مسلم لیگ کے گارڈ برچھیوں سے کسی شخص کو مار رہے تھے۔ میں تیزی سے سٹیج کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں عجیب منظر تھا۔ سٹیج پر انگریز ڈپٹی کمشنر ہارڈی بیٹھے تھے جنہوں نے وزیراعظم کا سر اپنی گود میں لیا ہوا تھا

MashalBooks.org

اور ساتھ ہی وزیراعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں پریشانی اور بے بسی کے عالم میں تھے۔ جلسہ گاہ خالی ہوچکی تھی۔ پولیس والے گولیاں چلاکر تتر بتر ہو چکے تھے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ چند سپاہی ادھر ادھر موجود تھے لیکن حیران اور پریشان۔ سیکرٹری نے مجھے دیکھ کر کہا فوراً گاڑی کا انتظام کرو۔ لیکن جلسہ گاہ کے قریب کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں اسی گومگو کے عالم میں تھا کہ سارجنٹ بلنٹ نظر آیا۔ میں لپک کر اس کے پاس پہنچا اور اس سے گاڑی کا انتظام کرنے کو کہا۔ چند منٹ لگے ہوں گے کہ بلنٹ ایک بڑی سی کار لے کر سٹیج کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں پر موجود چند لوگوں نے وزیراعظم کو اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ ہارڈی اور وزیراعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اتنے میں جناب مشتاق احمد گرمانی بھی وہاں پہنچ گئے اور گاڑی میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چونکہ گاڑی میں جگہ نہیں تھی اور گرمانی صاحب قدرے فربہ اندام تھے اس لیے وہ اندر داخل نہیں ہو پا رہے تھے۔ میں پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دھکیل کر ان کو گاڑی کے اندر کیا اور گاڑی سی ایم ایچ روانہ ہوگئی۔ اس وقت کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وزیراعظم زندہ ہیں کہ نہیں۔ قیاس آرائیاں تھیں کہ وہ زخمی ہیں اور جاں بر ہو جائیں گے۔

وزیراعظم کی گاڑی روانہ کرنے کے بعد میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے سٹیج سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایس پی نجف خاں نظر آئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور بتایا کہ میں نے وزیراعظم کو سی ایم ایچ روانہ کر دیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا ''اس حرام زادے کو بھی تو لے جاؤ۔'' ان کا اشارہ قاتل کی لاش کی طرف تھا۔ شاید انہوں نے مزید یہ ہدایت دی ہو کہ میں وہ لاش پولیس لائینز لے جا کر کوارٹر گارڈ میں رکھوا دوں۔ لیکن مجھے یاد نہیں۔ تاہم میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایسا اپنے ایس پی کی ہدایت پر کیا۔

میں نے پولیس کی گاڑی منگوائی اور سٹیج کے قریب پڑی لاش اٹھوا کر اس میں ڈالی اور پولیس لائینز لے گیا۔ لائینز افسر سے لاش کو کوارٹر گارڈ میں رکھنے کے لیے کہا اور پہرہ سخت کرنے کا حکم دیا۔

جب میں اس کام سے فارغ ہو گیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ اب میں کیا کروں کیونکہ مجھے کوئی مزید ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ میں کالج روڈ پر اپنے گھر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد خیال آیا کہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ آئندہ لائحہ عمل

کیا ہوگا اور اس میں میرا کردار کیا ہوگا۔ یعنی تفتیش کے دوران مجھے کیا کہنا ہے۔ اس خیال سے میں ایس پی صاحب کے بنگلے پر پہنچا۔ وہاں ان کے ڈرائینگ روم میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کا نوٹس لیے بغیر جناب نجف خان سے پوچھا کہ تفتیش کے دوران مجھے کیا کہنا ہے؟ ان کا سادہ سا جواب تھا ''جب وقت آئے گا تو بتا دیا جائے گا'' چنانچہ میں وہاں سے لوٹا اور گھر چلا آیا۔ لیکن مجھے پھر گھر سے بلایا گیا اور یہ خدمت سونپی گئی کہ جو لیڈر یا افسر باہر سے راولپنڈی پہنچ رہے ہیں انہیں پائلٹ کر کے سی ایم ایچ لے جاؤں۔ میں اس کام میں شام تک مصروف رہا۔ اسی دوران معلوم ہو چکا تھا کہ وزیرِاعظم پاکستان انتقال کر گئے ہیں۔

یہ 16 اگست 1951ء کا واقعہ ہے۔ میں نیا نیا پولیس افسر بنا تھا، لیکن آج تک میرے ذہن میں کئی سوالات کلبلا رہے ہیں۔

جب وزیرِاعظم کو گولی لگی تو جناب نجف خاں کہاں تھے؟ اگر وہ سٹیج کے پاس ہی تھے تو اس وقت وہ نظر کیوں نہیں آئے جب ہارڈی اور وزیرِاعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری سراسیمگی اور بے بسی کے عالم میں سٹیج پر بیٹھے تھے؟

اگر وہ سٹیج کے قریب موجود تھے اور انہوں نے قاتل کو گولی چلاتے ہوئے دیکھا تھا تو اس وقت انہوں نے کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟

اگر وہ سٹیج کے قریب موجود نہیں تھے تو پھر کہاں تھے اور کس وقت اور کیوں وہ سٹیج سے ہٹ گئے تھے؟ جبکہ وزیرِاعظم کی حفاظت کی ساری ذمہ داری پولیس کی تھی جس کے وہ ایس پی بھی تھے اور ڈی آئی جی کا کام بھی سنبھالے ہوئے تھے؟

پھر وہ اس واقعے کے بعد اتنی دور کیوں چلے گئے تھے؟ کیا انہیں اپنی جان کا خطرہ تھا؟ اگر ایسا تھا تو پھر وہ کوئی اچھے پولیس افسر نہیں تھے۔

وزیرِاعظم کا قتل، ساتھ ہی ان کے قاتل کا قتل، نہایت سنگین واردات تھی۔ وزیرِاعظم کی حفاظت کے سلسلے میں پولیس بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کسی بھی پولیس افسر کے خلاف کوئی محکمانہ کارروائی نہیں ہوئی اور نہ کسی کو اس سارے واقعے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس کے برعکس نجف خاں کو ترقی ملی اور وہ ڈی آئی جی ہو کر ریٹائر ہوئے۔

قاتل سید اکبر تھا جو ہزارہ پولیس کی نگرانی میں تھا اور راولپنڈی کی پولیس بھی اس کی نگرانی

MashalBooks.org

کرتی تھی کیونکہ وہ کارتوس خریدنے کے لیے اکثر راولپنڈی آیا جایا کرتا تھا۔

وہ جلسہ گاہ میں کیسے پہنچا اور اسے سٹیج کے اتنے قریب بیٹھنے کی اجازت کیوں دی گئی؟

یہ کیسا اتفاق ہے کہ اس شخص کی پیٹھ کے عین پیچھے دو مسلح پولیس افسر موجود تھے جن کے سامنے اس کے وزیراعظم پر گولیاں چلائیں۔ پھر پولیس نے اس دبلے پتلے شخص کو قتل کر دیا حالانکہ اس پر آسانی سے دو آدمی قابو پا سکتے تھے کیونکہ وہ تقریباً نہتا ہو چکا تھا اس کے پستول کی تیسری گولی کا خول پستول کے چیمبر میں پھنس گیا تھا۔ تفتیش کے لیے اس کا زندہ پکڑا جانا اشد ضروری تھا۔ اسے کیوں قتل کیا گیا؟ وہ دونوں افسر یعنی سب انسپکٹر محمد شاہ اور سی آئی ڈی کا حلقہ افسر انسپکٹر شیخ ابرار واقعے کے بعد جلسہ گاہ میں کیوں نظر نہیں آئے؟ سید اکبر کے مرنے کے بعد انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ سٹیج پر پڑے وزیراعظم کی مدد کے لیے کیوں نہ پہنچے اور تتر بتر کیوں ہو گئے؟ ان میں محمد شاہ تو بطور سب انسپکٹر ہی ریٹائر ہوا اور شیخ ابرار ترقی کر کے ایس پی کے عہدے تک پہنچے اور شاید ابھی تک حیات ہیں۔ اس وقت ان کے خلاف قتل کا مقدمہ چلنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیوں؟

سید اکبر کو قتل کر کے جلسہ گاہ سے ان کا غائب ہو جانا بڑی معنی خیز بات ہے۔

واقعے کے بعد ایس پی نجف خان سٹیج سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر پائے گئے۔ کیا انہوں نے وزیراعظم کو قتل ہوتے دیکھا اور پھر وہاں سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ نکلے؟ اگر ایسا ہے تو وہ پولیس میں رہنے کے قابل نہیں تھے اور ان کے خلاف محکمانہ کارروائی کے بعد انہیں پولیس سے نکال دینا چاہیے تھا۔

اور اگر وہ وزیراعظم کو گولی لگنے سے پہلے موقع سے ہٹ گئے تھے تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اور پھر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ قاتل بھی مر گیا ہے اور اس کی لاش ٹھکانے لگانی چاہیے؟ انہوں نے مجھ سے کیسے کہہ دیا کہ ''اس حرام زادے کو بھی تو وہاں سے لے جاؤ''۔ کیا وہ سید اکبر کو جانتے تھے اور اگر ایسا ہے تو انہوں نے اسے جلسہ گاہ میں آنے سے روکا کیوں نہیں اور سٹیج کے اتنے قریب بیٹھنے کیوں دیا؟

اور پھر سب سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ ہارڈی اور پرائیویٹ سیکریٹری کے بعد اس واقعے کا تیسرا چشم دید گواہ میں تھا۔ مجھے شامل تفتیش کیوں نہیں کیا گیا اور میرا بیان کیوں نہیں لیا گیا؟ یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس واقعے میں ملوث سارے صوبائی افسر تھے۔ تفتیش کے لیے بھی ایک ڈی ایس پی کو قصور سے بلایا گیا تھا۔ یہ بھی معنی خیز بات ہے کہ وزیراعظم کے قتل کے

چوبیس گھنٹے کے بعد آئی جی قربان علی خاں موقع پر پہنچے۔ وہ پہلے کیوں نہیں آئے؟ جبکہ محکمہ پولیس کے سارے وسائل انہیں میسر تھے۔ پھر عام قتل پر تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ متعلقہ علاقے کا گزٹیڈ افسر جلدی سے جلدی موقعہ پر پہنچ کر تفتیش کی نگرانی شروع کر دیتا ہے، یہاں تو ملک کا وزیر اعظم قتل ہو گیا تھا اور پورا ملک لرز گیا تھا لیکن آئی جی کو موقعہ پر پہنچے میں چوبیس گھنٹے لگے؟

یہ ہیں وہ سوالات جن پر اس وقت تو میرا ذہن نہیں گیا تھا کہ میں کم عمر تھا اور نیا نیا پولیس میں آیا تھا، لیکن عمر کی پختگی اور ملک کے اندر پیش آنے والے پیچ در پیچ سیاسی حالات وواقعات کے ساتھ ان سوالوں نے میرے دل ودماغ میں ایک طوفان بپا کئے رکھا اور اب میں کہہ سکتا ہوں کہ یہی سوالات اس کتاب کے محرک اور جواز بنے ہیں۔

رشید ملک......لاہور

MashalBooks.org

تعارف

جرمیات نسبتاً ایک نیا علم ہے۔ اس کا مقصد جرائم کی وجوہ تلاش کرنا اور ان کے تجزیے اور تحلیل کے بعد انسدادی تدابیر تجویز کرنا ہے اور ساتھ ہی مجرموں کی اصلاح کے لیے اور انہیں معاشرے کا ایک مفید رکن بنانے کے لئے اقدامات تجویز کرنا ہے۔

جرم مذہب اور اخلاقیات اور فلسفے کا موضوع بھی رہا ہے لیکن ان علوم کی نظر جرائم کی سائنسی وجوہات کی طرف نہیں گئی۔ ابتدا میں جرم کی وجوہات کو اقتصادیات میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تحریک کا سربراہ ایک اطالوی دانشور تھا جس کی کتاب نے پورے یورپ میں دھماکہ کر دیا۔ اس کے خیالات کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ اس کے حامیوں نے چونکہ سائنسی طریق کار نہیں اپنایا تھا اس لئے اسے کلاسیکی مکتب فکر کا نام دیا گیا۔ اس کے بعد نفسیات کے ماہرین نے اس علم کو موضوع گفتگو بنایا۔ اس نظریے کا مبلغ ایک دوسرا اطالوی دانش ور لومبراسو تھا۔ اس نے پیدائشی مجرم کا تصور پیش کیا لیکن اس موضوع پر بڑھتی ہوئی تحقیق نے اسے پسپائی پر مجبور کر دیا اور اسے کہنا پڑا کہ مجرموں میں سے ایک تہائی پیدائشی مجرم ہوتے ہیں اور دوسرے دیگر محرکات کی بنا پر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں چونکہ اس مکتب فکر کا طریق کار سائنسی تھا اس لئے اسے پوزیٹوسٹ (Positivist) سکول کا نام دیا گیا۔

اس اثنا میں دوسرے معاشرتی علوم بھی بالغ ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے بھی علم جرمیات میں وافر حصہ ڈالا۔ قانون کے ماہرین اور فلسفی حضرات نے اس موضوع پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ 1967ء تک یہ علم منتشر صورت میں رہا اور ماہرین اپنے آپ کو اس علم سے وابستہ

MashalBooks.org

کرنے سے کتراتے رہے۔ جرمیات کے متعلق جرائد، بین الاقوامی کانفرنسوں، مزید تحقیق اور بڑھتے ہوئے جرائم کی بنا پر ماہرین جرمیات نے اپنا مقام پیدا کرلیا۔ چنانچہ یہ کلیہ قائم ہوا کہ جرم بھی معاشرے کا ایک تفاعل ہے اور معاشرے کی اقدار، اعمال، اقتصادیات، نفسیات سب اس معاشرے کے جرائم میں منعکس ہوتے ہیں۔

کافی عرصے تک جرم کو غریب طبقوں اور اجنبیوں کی سرگرمی سمجھا جاتا رہا لیکن تیس کی دہائی میں امریکی ماہر جرمیات سدرلینڈ(Sutherland) نے وائٹ کالر جرم (White collar crime) کا تصور پیش کرکے ایک دھماکہ کردیا۔ ایسے جرائم میں کسی بھی معاشرے کا تاجر اور صنعت کار طبقہ، سرکاری ملازمین، بنک کار، انشورنس سے وابستہ لوگ، حصص کا کاروبار کرنے والے یعنی معاشرے کے امیر طبقے کے غیر قانونی افعال شامل ہوگئے۔ جرم کے اس تصور نے ماہرین کو جرم کو نئی روشنی میں دیکھنے پر مجبور کردیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جرم دوسرے اعمال کی طرح معاشرے ہی کا ایک عمل ہے اور معاشرے کا جزو لاینفک ہے۔

دوسرے علوم کی طرح علم جرمیات کے بھی کئی حصے ہیں۔ ابتدا جرائم اور مجرم سے ہوتی ہے۔ اس حصے میں جرم کا تصور، جرائم کی وجوہات اور مجرم کی شخصیت زیر بحث آتے ہیں۔ دوسرے حصے کا تعلق معاشرے کے نظام عدل سے ہے جس میں پولیس اور عدالتیں شامل ہیں۔ تیسرے حصے کی توجہ مجرم کی اصلاح اور اسے معاشرے کا ایک کارآمد رکن بنانے پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس میں نظام تعزیرات، جیلیں اور مجرم سے سلوک وغیرہ شامل ہیں۔

یہ کتاب اس علم کے صرف پہلے حصے پر مشتمل ہے، اگرچہ اس میں پولیس، نظام عدل، تعزیرات بھی جستہ جستہ زیر بحث آئے ہیں۔ اس حصے میں جرائم کے تصورات اور ان کی وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں اس علم کے دیگر موضوعات پر باہم متصادم نظریات پیش کئے گئے ہیں۔

جرائم ہر معاشرے کا حصہ ہیں۔ ہر معاشرے میں جرم ہوتا ہے، کہیں کم اور کہیں زیادہ، اور ہر معاشرے میں مجرم موجود ہوتے ہیں۔ ان میں پیشہ ور مجرم بھی ہوتے ہیں، کبھی کبھار ضرورت کے تحت جرم کرنے والے مجرم بھی ہوتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو موقعہ ملنے پر جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان مجرموں میں نابالغ بچے، بالغ لوگ اور عمر رسیدہ لوگ بھی ہوتے ہیں۔

لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ کام امریکہ میں ہوا۔اس ملک کی شرح جرائم بلند ترین ہے بلکہ یہ کہنا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ وہ معاشرہ ہی مجرم معاشرہ ہے۔ دانشوروں اور ماہرین نے وہاں کے جرائم کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں ان کے خیالات وتصورات بکثرت نظر آئیں گے۔ برطانیہ میں بھی شرح جرائم کافی بلند ہے۔ وہاں کے ماہرین نے بھی اس موضوع پر کافی کام کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ سراسر نظریاتی ہے تاہم ضرورت پڑنے پر انہی دو ممالک کے اعداد وشمار پر انحصار کیا گیا ہے۔ دوسرے ممالک کے اعداد وشمار آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے اور ہمارے لئے ان ممالک کی زبانیں بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے جو کچھ انگریزی میں دستیاب ہوتا ہے پہلے اسی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان کے جرائم کے اعداد وشمار آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔حکومت بوجوہ ان کو شائع کرنے سے کتراتی ہے۔علم جرمیات بھی اس ملک میں پوری طرح رائج نہیں۔اردو زبان میں اس موضوع پر شاید ہی کوئی کتاب نظر آئے۔تاہم پاکستان کے جرائم کی اپنی خصوصیات ہیں۔ فرقہ پرستی، نسل پرستی، کاروکاری وغیرہ جو دوسرے ممالک کے جرائم میں نظر نہیں آتے یہ پاکستان سے ہی مخصوص ہیں اور ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے جن کا تعلق براہ راست جرائم سے ہے، جیسے پولیس، عدالتیں اور انتظامیہ کے لئے مفید ثابت ہوگی۔اس سے جرائم اور مجرم کے متعلق صدیوں پرانے خیالات کو تبدیل کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ عام آدمی جس میں اس کتاب کا قاری بھی شامل ہے، جرائم سے متاثر ہوتا ہے اور اسے بھی جرائم کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ چونکہ جرائم کی قیمت معاشرہ ہی ادا کرتا ہے اس لئے یہ کتاب عام آدمی کے لئے بھی مفید ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کی حیثیت جرائم اور مجرموں کے متعلق ایک ابتدائی تعارف کی ہے۔ آگے

''ہمت کو شناوری مبارک...... پیدا نہیں بحر کا کنارہ''

راقم کو اس کتاب میں پیش کئے گئے خیالات، تصورات اور نظریات کی ایجاد کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہ سب مختلف مصنفین سے مستعار لئے گئے ہیں اور قاری کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

دیگر مصنفین کے علاوہ راقم ڈاکٹر مبارک علی، جناب مسعود کھدر پوش کی ہاری کمشن رپورٹ

MashalBooks.org